Allama Iqbal Open University AIOU BS Islamic Studies Solved Assignment No 1 Autumn 2025
Code 2951 Introduction to Fiqh

سوال نمبر *1:* فقہ کے ارتقائی ادوار میں تقلید محض کے دور پر تفصیلی نوٹ لکھیں

فقہ اسلامی کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے، اور اس کا ارتقائی سفر مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک اہم دور "تقلید محض کا دور" ہے۔ اس دور کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم فقہ کے ارتقائی مراحل کا اجمالی جائزہ لیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ تقلید محض کا آغاز کیسے ہوا، اس کے اسباب کیا تھے، اس کے اثرات کیا مرتب ہوئے، اور امت مسلمہ کے علمی و فکری رویوں پر اس کے مثبت و منفی نتائج کس طرح ظاہر ہوئے۔

فقہ کے ارتقائی مراحل کا پس منظر

فقہ کے ارتقا کو عموماً چار بڑے ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1. **تشریعی دور *(1 ہجری تا 40 ہجری)*:** اس دور میں قرآن و سنت براہ راست قانون سازی کا ماخذ تھے۔ خلفائے راشدین اجتہاد سے کام لیتے اور صحابہؓ باہمی مشاورت سے مسائل حل کرتے۔

2. **اجتہاد اور تاسیس فقہ کا دور *(41 ہجری تا 300 ہجری)*:** اس دور میں بڑے ائمہ کرام سامنے آئے جنہوں نے فقہ کی بنیادیں رکھیں، اصول فقہ مرتب کیے، اور اپنے مکاتب فکر کی تشکیل کی۔

3. **تقلید محض کا دور (چوتھی صدی ہجری سے آگے):** اس دور میں اجتہاد کا دروازہ بند سمجھا گیا اور فقہی مکاتب فکر کے ماننے والوں نے اپنے امام کے اقوال کو حرفِ آخر سمجھ لیا۔

4. **جدید دور میں فقہ کی نشاۃ ثانیہ:** یہ دور اس وقت شروع ہوا جب علماء نے دوبارہ اجتہاد کی ضرورت پر زور دینا شروع کیا تاکہ نئے مسائل کا

حل نکالا جا سکے۔

تقلید اور اجتہاد کے بنیادی مفاہیم

- **اجتہاد**: قرآن و سنت سے براہِ راست نئے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔

- **تقلید**: کسی بڑے فقیہ یا امام کے قول کو دلیل سمجھے بغیر مان لینا تقلید کہلاتا ہے۔

اسلامی فقہ کی ابتدا میں اجتہاد بنیادی اصول تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ تقلید کو ترجیح دی جانے لگی اور پھر یہ تقلید محض کی صورت اختیار کر گئی۔

تقلید محض کا آغاز

جب ائمہ اربعہ کے فقہی مکاتب فکر مضبوط ہو گئے، تو ان کے پیروکاروں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ ان کے اماموں نے قرآن و سنت سے مسائل کا

استخراج مکمل طور پر کر لیا ہے۔ اس کے بعد اجتہاد کرنے والے علماء کی تعداد کم ہوتی گئی اور "اجتہاد کا دروازہ بند ہے" کا نظریہ عام ہو گیا۔ یہی وہ نقطہ آغاز تھا جس سے تقلید محض کا دور شروع ہوا۔

تقلید محض کے دور کی نمایاں خصوصیات

1. **ائمہ اربعہ کی اقوال پر انحصار**: فقہ کا دائرہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے اقوال تک محدود ہو گیا۔

2. **اجتہاد کی معطلی**: علماء نے براہِ راست اجتہاد کرنے کے بجائے پہلے سے موجود اقوال اور فتاویٰ پر اکتفا کیا۔

3. **فقہی کتابوں کی تدوین و شروح**: اس دور میں زیادہ تر توجہ فقہ کی موجودہ کتابوں کی شرح، حواشی اور فتاویٰ لکھنے پر رہی۔

4. **مذہبی تعصب**: مختلف مکاتب فکر کے ماننے والوں میں شدت اور تعصب پیدا ہوا، حتیٰ کہ بعض اوقات دوسرے مکتب فکر کے دلائل کو بالکل

نظرانداز کیا جاتا۔

5. **عوام کی سطح پر آسانی:** عوام کے لیے ایک امام کے اقوال پر عمل کرنا آسان ہو گیا کیونکہ انہیں براہ راست قرآن و سنت سے استدلال کی ضرورت نہ رہی۔

تقلید محض کے اسباب

1. **ائمہ اربعہ کا علمی مقام:** ان کی فقاہت، تقویٰ اور علم نے ان کے ماننے والوں کو یہ یقین دلایا کہ ان کے اقوال ہی کافی ہیں۔

2. **عوام کی علمی کمزوری:** عام مسلمانوں کے لیے براہ راست اجتہاد کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے انہوں نے آسانی سے ایک امام کی پیروی کو قبول کر لیا۔

3. **سیاسی اور معاشرتی حالات:** عباسی اور بعد کے ادوار میں سیاسی دباؤ اور انتشار نے آزاد علمی بحث و مباحثے کو محدود کر دیا۔

4. **اختلاف سے بچنے کی خواہش:** علماء نے سوچا کہ اجتہاد کرنے سے نئے اختلافات پیدا ہوں گے، لہٰذا بہتر ہے کہ پہلے سے موجود اقوال پر اکتفا کیا جائے۔

تقلید محض کے اثرات

مثبت اثرات

- فقہ کی تدوین اور ترتیب کا عمل مکمل ہوا۔

- امت کے لیے عملی طور پر آسانی پیدا ہوئی کہ وہ کسی ایک مکتب فکر پر عمل کر سکے۔

- علمی میراث ایک منظم شکل میں محفوظ ہو گئی۔

منفی اثرات

- اجتہاد کی صلاحیت کمزور ہو گئی اور نئے مسائل کے حل میں مشکلات پیش آئیں۔

- علمی جمود پیدا ہو گیا اور تحقیق کا عمل محدود ہو گیا۔

- مذہبی تعصب نے علمی مباحث کو نقصان پہنچایا۔

- جدید معاشرتی مسائل کے حل کے لیے فوری اور مؤثر رہنمائی میسر نہ آ سکی۔

مثالیں

1. بہت سے مسائل جیسے بینکاری، بیمہ، جدید سائنسی ایجادات وغیرہ کے بارے میں فقہی رہنمائی میں تاخیر ہوئی کیونکہ براہِ راست اجتہاد کرنے کے بجائے پرانی فقہی کتابوں پر انحصار کیا گیا۔

2. مختلف خطوں میں ایک ہی مکتب فکر کو لازم پکڑنے کی وجہ سے دوسرے مکاتب فکر کی آراء کو اکثر مسترد کیا گیا۔

تقلید محض پر تنقیدی جائزہ

تقلید محض نے اگرچہ امت کو فقہ کے بکھرنے سے محفوظ کیا لیکن اس نے فقہ کو جمود اور محدودیت کا شکار بھی کیا۔ اجتہاد کی روح دب گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرتی ارتقا اور بدلتے حالات کے ساتھ فقہ کا تعلق کمزور ہو گیا۔

موجودہ دور میں تقلید محض سے سبق

آج کے دور میں ہمیں تقلید محض اور اجتہاد کے درمیان توازن پیدا کرنا چاہیے۔ تقلید کی صورت میں ہم فقہی وراثت سے استفادہ کریں لیکن اجتہاد کی صورت

میں بدلتے حالات کے تقاضوں کو پورا کریں۔ قرآن و سنت کی روشنی میں نئے مسائل کے لیے اجتہاد کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

نتیجہ

تقلید محض کا دور فقہ اسلامی کے ارتقائی سفر کا ایک اہم مرحلہ ہے۔ اس دور نے فقہ کو محفوظ رکھنے میں مدد دی لیکن اجتہاد کی معطلی کے باعث علمی و فکری جمود پیدا ہوا۔ آج امت مسلمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقلید محض سے آگے بڑھے اور اجتہاد کی روح کو زندہ کرے تاکہ شریعت کی رہنمائی ہر دور کے مسائل کے لیے دستیاب ہو سکے۔

سوال نمبر 2: صدر اسلام کے اہم فقہی مراکز کا تفصیلی تعارف تحریر کریں

اسلامی تاریخ کے آغاز میں جب قرآن نازل ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں دین اسلام کی تعلیم دی تو تمام مسائل کا براہ راست جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا جاتا تھا۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد دین اسلام مختلف علاقوں میں پھیلنا شروع ہوا تو نئے نئے مسائل سامنے آنے لگے۔ ہر علاقے کے حالات، وہاں کے رسم و رواج اور نئے مسائل کے تنوع نے اس بات کی ضرورت پیدا کی کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ مختلف شہروں میں دینی تعلیم کو منظم کریں اور شریعت کی روشنی میں مسائل کے جوابات فراہم کریں۔ اسی پس منظر میں "فقہی مراکز" وجود میں آئے۔ یہ مراکز دراصل علمی اور تحقیقی حلقے تھے جنہوں نے فقہ اسلامی کی بنیادیں مضبوط کیں اور بعد کے فقہی مکاتب فکر کے لیے زمین ہموار کی۔

فقہی مراکز کی اہمیت

صدر اسلام میں فقہی مراکز کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ تھی کہ:

1. **اسلامی سلطنت کی وسعت:** نئے علاقے اسلام کے زیر اثر آ رہے تھے جہاں مختلف مذاہب، ثقافتیں اور تمدن موجود تھے۔ ان سے جڑے مسائل کے حل کے لیے شرعی رہنمائی کی ضرورت تھی۔

2. **نئے مسائل کا ظہور:** تجارت، سیاست، حکمرانی اور معاشرتی تعلقات کے میدان میں نئے مسائل سامنے آ رہے تھے۔

3. **صحابہ کرامؓ کی موجودگی:** مختلف شہروں میں صحابہ کرامؓ نے سکونت اختیار کی اور ان کے ذریعے دینی تعلیم کو فروغ ملا۔

4. **فقہ کا ارتقا:** انہی مراکز نے فقہ کو ایک منظم علم بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

---

1. مدینہ منورہ کا فقہی مرکز

مدینہ کو فقہ اسلامی کا پہلا اور بنیادی مرکز کہا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور سنت سب سے زیادہ یہاں محفوظ رہیں۔

- **خصوصیات:**
  - قرآن اور حدیث کی تعلیم براہِ راست یہاں موجود تھی۔
  - اکابر صحابہؓ جیسے خلفائے راشدین، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ یہاں مقیم تھے۔
  - مسائل کے حل کے لیے زیادہ زور حدیث اور آثار صحابہؓ پر دیا جاتا تھا۔

- **مدینہ کی فقہی روایت:** اس مرکز سے بعد میں "فقہ اہل الحدیث" وجود میں آیا، جس نے سنت اور حدیث کو اصل ماخذ قرار دیا۔ امام مالکؒ کی

فقہ مالکی اسی مرکز کی علمی بنیادوں پر قائم ہوئی۔

- **اہم کارنامہ:** امام مالکؒ نے اپنی مشہور کتاب "الموطأ" مرتب کی جو فقہ اور حدیث کا عظیم شاہکار ہے۔

---

2. مکہ مکرمہ کا فقہی مرکز

مکہ مکرمہ کو فقہی لحاظ سے دوسرا اہم مرکز کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مکہ زیادہ تر عبادات خصوصاً حج و عمرہ کا مرکز تھا، لیکن یہاں بھی فقہی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

- **خصوصیات:**
  - زیادہ زور مناسکِ حج اور عبادات سے متعلق مسائل پر تھا۔

- یہاں کے علماء "عمل اہل مکہ" کو دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے کیونکہ وہ براہِ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے قریب تھے۔

- **نمایاں شخصیات:** حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو مکہ کا سب سے بڑا فقیہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کے شاگردوں نے بعد میں مکہ کو ایک فقہی مرکز بنایا۔

- **اثرات:** مکہ کے فقہی رجحان نے بعد میں فقہ شافعی کی تشکیل پر اثر ڈالا کیونکہ امام شافعیؒ نے مکہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔

---

3. کوفہ کا فقہی مرکز

کوفہ صدر اسلام میں ایک نہایت اہم فقہی مرکز کے طور پر ابھرا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں آباد ہوا اور یہاں بہت سے جلیل القدر صحابہؓ آئے۔

- **خصوصیات:**
  - کوفہ میں چونکہ نئے نئے مسائل زیادہ پیدا ہوتے تھے اس لیے یہاں کے علماء نے عقل، قیاس اور اجتہاد پر زور دیا۔
  - یہاں حدیث کے ساتھ ساتھ "رائے" کو بھی اہمیت دی گئی۔ اسی وجہ سے کوفہ کو "اہل الرائے" کا مرکز کہا جاتا ہے۔
- **نمایاں شخصیات:** حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کوفہ میں فقہی تعلیم کی بنیاد رکھی۔ ان کے شاگرد علقمہ بن قیسؒ، پھر ابراہیم نخعیؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ اور آخر کار امام ابو حنیفہؒ نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔

- **اہمیت:** کوفہ کا مرکز فقہ حنفی کی بنیاد بنا جو بعد میں اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ پھیلا۔

---

4. بصرہ کا فقہی مرکز

بصرہ بھی ایک اہم علمی اور فقہی مرکز کے طور پر سامنے آیا۔ یہاں صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد مقیم ہوئی اور انہوں نے دینی تعلیم دی۔

- **خصوصیات:**
  - بصرہ میں فقہ کے ساتھ ساتھ کلامی اور فکری مباحث بھی زیادہ تھے۔
  - عبادات اور معاملات دونوں پر زور دیا جاتا تھا۔

- **نمایاں شخصیات:** حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ۔

- **اہم اثرات:** بصرہ کے علماء نے فقہ کے ساتھ ساتھ زہد، تقویٰ اور تصوف کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔

---

5. شام کا فقہی مرکز

شام بھی صدر اسلام میں ایک بڑا فقہی مرکز بنا۔ حضرت معاویہؓ کا دارالخلافہ دمشق میں تھا اور اس وجہ سے یہاں علمی اور فقہی سرگرمیوں کو فروغ ملا۔

- **خصوصیات:**
    - سیاسی اور انتظامی مسائل پر یہاں زیادہ زور تھا۔

- ○ فقہ کے ساتھ ساتھ حدیث اور آثار صحابہؓ بھی زیر بحث رہتے تھے۔

- **نمایاں شخصیات:** حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ۔

- **اہم اثرات:** شام کے فقہی مرکز نے بعد میں فقہ حنبلی کی تشکیل میں کردار ادا کیا کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ نے شامی علماء سے بھی استفادہ کیا۔

فقہی مراکز کے باہمی فرق اور خصوصیات

- **مدینہ:** حدیث اور سنت پر زیادہ زور، فقہ اہل الحدیث کی بنیاد۔

- **مکہ:** عبادات اور مناسکِ حج کے مسائل میں مہارت۔

- **کوفہ:** عقل و قیاس اور اجتہاد پر زور، فقہ اہل الرائے کا مرکز۔

- **بصرہ:** فقہ کے ساتھ ساتھ کلامی اور روحانی مباحث۔

- **شام:** سیاسی و انتظامی مسائل میں مہارت۔

فقہی مراکز کے اثرات

1. ان مراکز نے فقہ اسلامی کو ارتقاء بخشا اور شریعت کی تعبیر کے مختلف اسالیب متعارف کرائے۔

2. بڑے فقہی مکاتب فکر انہی مراکز سے پروان چڑھے۔

3. اسلامی دنیا میں فقہ کی وسعت اور تنوع انہی مراکز کی بدولت ممکن ہوا۔

4. عوام کو روزمرہ مسائل میں شرعی رہنمائی ملی۔

5. فقہ اسلامی نے مختلف معاشرتی اور ثقافتی حالات میں اپنے آپ کو ہم آہنگ ثابت کیا۔

نتیجہ

صدر اسلام کے فقہی مراکز نے اسلامی فقہ کی بنیاد رکھنے اور اس کے ارتقاء میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ مدینہ کو اہل الحدیث، کوفہ کو اہل الرائے، مکہ کو مناسک کے مسائل، بصرہ کو کلامی و روحانی پہلو اور شام کو سیاسی فقہ کا مرکز کہا جا سکتا ہے۔ انہی مراکز نے بعد میں ائمہ اربعہ کی فقہ کی تشکیل کے لیے علمی بنیاد فراہم کی۔ یہ مراکز نہ صرف دین کی حفاظت کا ذریعہ بنے بلکہ انہوں نے امت کو ہر دور میں مسائل کے حل کے لیے رہنمائی دی۔

سوال نمبر 3

فقہ اسلامی میں مخاصمات اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق اہم مباحث قلمبند کریں۔

فقہ اسلامی انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتی ہے۔ جیسے کہ یہ انفرادی عبادات، اجتماعی معاملات، معاشی و معاشرتی تعلقات اور اخلاقی قدروں کے ساتھ ساتھ ریاستوں کے باہمی تعلقات اور تنازعات کے بارے میں بھی مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اسلام محض ایک مذہبی نظام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو امن، عدل، اور انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے لیے واضح اصول بیان کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی میں مخاصمات (تنازعات) اور بین الاقوامی تعلقات *(international relations)* کے اصول نہایت جامع اور عملی نوعیت رکھتے ہیں۔ ان اصولوں کو نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے مفید قرار دیا جا سکتا ہے۔

مخاصمات سے متعلق فقہی مباحث

اسلام میں مخاصمات یعنی تنازعات کو ختم کرنے کے لیے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ ہمیشہ امن اور صلح کو ترجیح دی جائے۔ جنگ کو آخری

راستہ سمجھا جاتا ہے اور اس کا مقصد صرف ظلم کو روکنا اور حق کو قائم کرنا ہوتا ہے۔

1. جہاد کے اصول اور اس کی اقسام

فقہ اسلامی میں جہاد کو محض جنگی کارروائی نہیں بلکہ ایک وسیع تر جدوجہد کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ جہاد کی کئی اقسام ہیں جن میں جہاد بالنفس، جہاد بالمال اور جہاد بالسیف شامل ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں سب سے اہم جہاد بالسیف ہے، یعنی اسلحہ کے ذریعے جدوجہد۔ مگر اس کا مقصد زمین پر فساد پھیلانا نہیں بلکہ ظلم اور جبر کو ختم کرنا ہے۔

- **جہادِ دفاعی:** جب کوئی دشمن طاقت مسلم ریاست پر حملہ کرے تو اس کے مقابلے کے لیے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اس وقت پورے معاشرے پر اپنے دین اور وطن کے دفاع کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

- **جہادِ ابتدائی:** بعض فقہا کے نزدیک اگر کسی علاقے میں انسانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور انہیں دین پر عمل کی آزادی نہ ہو تو مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے۔ لیکن اس کی اجازت صرف مسلم ریاست کے حکمران

کو ہے، نہ کہ کسی فرد یا گروہ کو۔

2. صلح اور امن قائم کرنے کے اصول

اسلام نے ہمیشہ صلح کو فوقیت دی ہے۔ قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے: "وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ" (اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ تنازعات کو مذاکرات اور معاہدات کے ذریعے حل کریں۔ فقہی طور پر صلح کے معاہدات اس وقت تک نافذ رہتے ہیں جب تک کہ فریقین ان پر قائم رہیں۔

3. قیدیوں کے حقوق

جنگ کے دوران قیدیوں کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اسلامی فقہ میں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں قیدیوں کو کھانا کھلانے کا ذکر ہے اور یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کی جائے۔ فقہا نے قیدیوں کے بارے میں چند اصول بیان کیے ہیں:

- انہیں بغیر معاوضہ آزاد کرنا۔

- ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا۔

- بعض صورتوں میں غلام بنا لینا (مگر تاریخ میں زیادہ تر آزاد کیا جاتا رہا)۔

- بعض حالات میں سزا دینا اگر وہ جرائم میں ملوث ہوں۔

اسلامی تاریخ میں قیدیوں کو تعلیم دینے کے بدلے آزاد کرنے کی مثال بھی ملتی ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر کے بعد۔

4. امان (تحفظ کی ضمانت)

فقہ اسلامی میں "امان" ایک اہم تصور ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم یا دشمن ریاست کا فرد مسلمان علاقے میں پناہ مانگے اور اسے امان دے دی جائے تو اس کی

جان و مال محفوظ رہتی ہے۔ یہ اصول بین الاقوامی سطح پر مہمان نوازی اور سفارتی تعلقات کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کے فقہی مباحث

اسلامی فقہ نے بین الاقوامی تعلقات کے اصول واضح کیے ہیں تاکہ ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ انصاف اور عزت کے ساتھ پیش آئیں۔

1. دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور

فقہا نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

- **دارالاسلام**: وہ علاقے جہاں اسلامی قانون نافذ ہے اور مسلمان امن کے ساتھ اپنے دین پر عمل کر سکتے ہیں۔

- **دارالحرب**: وہ علاقے جہاں مسلمانوں کے لیے دین پر عمل ممکن نہ ہو اور وہاں اسلامی قانون نافذ نہ ہو۔

یہ تقسیم صرف قانونی اور سیاسی معاملات کو سمجھنے کے لیے کی گئی تھی۔ جدید دور میں بین الاقوامی قانون کے مطابق یہ تقسیم نئی صورت اختیار کر چکی ہے اور زیادہ تر علما آج اسے ماضی کی فقہی

اصطلاحات قرار دیتے ہیں۔

2. غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

اسلامی ریاست غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات قائم کر سکتی ہے۔ قرآن میں حکم ہے کہ جو غیر مسلم مسلمانوں سے لڑائی نہ کریں اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ فقہ اسلامی میں:

- اہلِ کتاب سے معاہدات اور تعلقات جائز ہیں۔
- غیر مسلم رعایا (ذمی) کو اسلامی ریاست میں مذہبی آزادی اور جان و مال کی حفاظت حاصل ہے۔
- ان پر صرف جزیہ لگایا جاتا ہے جو کہ ان کی حفاظت اور ریاستی خدمات کے بدلے ہوتا ہے۔

3. معاہدات کی پاسداری

بین الاقوامی تعلقات میں معاہدات کی پاسداری سب سے اہم اصول ہے۔ قرآن کہتا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" (اے ایمان والو! اپنے معاہدوں کو پورا کرو)۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی ریاست یا قوم جس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا ہے، اس کے ساتھ انصاف کرنا اور وعدے پر قائم رہنا مسلمانوں پر لازم ہے۔

4. تجارت اور اقتصادی تعلقات

فقہ اسلامی میں بین الاقوامی تجارت کی اجازت ہے۔ تاہم اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ حرام چیزوں کی تجارت نہ کی جائے اور ایسے تعلقات قائم نہ کیے جائیں جو مسلم معاشرے کو نقصان پہنچائیں۔ اسلامی تاریخ میں مسلمان تاجروں نے نہ صرف تجارت کی بلکہ اپنے اخلاق اور کردار کے ذریعے اسلام کی تبلیغ بھی کی۔

5. سفارت کاری اور ایلچیوں کا مقام

اسلامی فقہ میں سفیروں اور ایلچیوں کی حفاظت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے دشمن ریاستوں کے ایلچیوں کے ساتھ بھی عزت و احترام کا معاملہ کیا اور ان کے جان و مال کو محفوظ قرار دیا۔ فقہا کے نزدیک سفیروں کو قتل کرنا یا ایذا پہنچانا سخت حرام ہے۔

6. بین الاقوامی عدل و انصاف

اسلامی فقہ کے مطابق بین الاقوامی تعلقات کا اصل مقصد عدل قائم کرنا ہے۔ دشمن قوم کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے: "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا، اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى" (کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے نہ روکے، عدل کرو کیونکہ عدل تقویٰ کے قریب تر ہے)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں مسلمانوں کو تعصب سے بچنا اور انصاف کو ترجیح دینا چاہیے۔

نتیجہ

فقہ اسلامی میں مخاصمات اور بین الاقوامی تعلقات کے اصول نہایت جامع، عادلانہ اور انسان دوست ہیں۔ یہ اصول آج کے جدید بین الاقوامی قوانین سے بھی زیادہ منصفانہ ہیں۔ اسلام جنگ کو آخری راستہ قرار دیتا ہے اور ہمیشہ صلح و امن کو ترجیح دیتا ہے۔ معاہدات کی پاسداری، قیدیوں کے حقوق، سفارت کاری، غیر مسلموں سے تعلقات اور عدل و انصاف پر مبنی رویہ وہ پہلو ہیں جو اسلام کے عالمی نظام کو منفرد بناتے ہیں۔ ان اصولوں پر عمل کر کے دنیا میں ایک پائیدار اور پرامن نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 4

نکاح میں کفو اور ولایت کے بارے میں تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

اسلامی معاشرت میں نکاح محض ایک سماجی معاہدہ نہیں بلکہ ایک مقدس دینی فریضہ ہے جو خاندان کے استحکام اور نسلِ انسانی کی بقا کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ شریعت نے نکاح کے اصول و ضوابط بڑی وضاحت سے بیان کیے ہیں تاکہ معاشرتی اور خاندانی نظام عدل و توازن کے ساتھ قائم رہے۔ ان اصولوں میں "کفو" اور "ولایت" خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔ فقہائے کرام نے ان دونوں موضوعات پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان کی بنیاد قرآن و سنت کے دلائل پر رکھی ہے۔ ذیل میں ان کا جامع بیان پیش کیا جا رہا ہے۔

نکاح میں کفو کا مفہوم

"کفو" لغوی طور پر ہم مثل، برابر اور ہم پایہ کے معنی میں آتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں کفو سے مراد وہ مساوات یا برابری ہے جو نکاح کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان دیکھی جاتی ہے تاکہ دونوں خاندانوں میں ہم آہنگی اور مطابقت قائم رہ سکے۔

کفو کی اہمیت

اسلام نے نکاح کو آسان بنانے کی تعلیم دی ہے، لیکن ساتھ ہی کفو کا لحاظ رکھنے کی تاکید بھی کی ہے تاکہ نکاح کے بعد تنازعات اور کشمکش پیدا نہ ہو۔ اگر مرد اور عورت معاشرتی، دینی اور اخلاقی لحاظ سے ہم پایہ ہوں گے تو ان کی ازدواجی زندگی زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہوگی۔

کفو کے معیار

فقہا نے کفو کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ ان میں سب سے اہم درج ذیل ہیں:

1. دین و تقویٰ میں برابری

اسلام میں سب سے بنیادی معیار دین اور تقویٰ ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا:
"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفو کا اصل معیار تقویٰ ہے نہ کہ مال یا نسب۔

2. نسب (خاندانی حیثیت)

بعض فقہا کے نزدیک خاندان اور قبیلے کی برابری بھی کفو میں شامل ہے تاکہ معاشرتی سطح پر ہم آہنگی قائم رہے۔ تاہم قرآن و سنت میں اصل زور تقویٰ پر ہے، نسب کو محض سماجی ہم آہنگی کے لیے اہمیت دی گئی ہے۔

3. پیشہ و معاشی حیثیت

کچھ فقہا نے پیشے اور معاشی حیثیت کو بھی کفو میں شمار کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ نکاح کے بعد لڑکی کو سماجی یا معاشی مشکلات کا سامنا نہ ہو۔

4. آزادی اور غلامی

اسلامی فقہ میں ایک آزاد عورت کے لیے غلام سے نکاح کو غیر کفو قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد عورت کے حقوق کی حفاظت ہے۔

نکاح میں ولایت کا مفہوم

"ولایت" لغوی طور پر سرپرستی اور اختیار کے معنی میں آتی ہے۔ نکاح کے حوالے سے ولایت کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کے نکاح کا حق اس کے ولی یعنی باپ، دادا، بھائی یا کسی قریبی مرد رشتہ دار کو حاصل ہے۔

ولایت کی اہمیت

اسلام نے عورت کی عزت و حرمت کے پیش نظر نکاح میں ولی کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے۔ ولی کے ہوتے ہوئے لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح لڑکی کو بھی اپنی مرضی کا اختیار ہے۔ اس توازن سے خاندان کے افراد کے درمیان اعتماد اور تعاون قائم رہتا ہے۔

ولایت کی اقسام

فقہا نے نکاح میں ولایت کی دو اقسام بیان کی ہیں:

1. ولایتِ اجبار

اس میں ولی کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ نابالغ یا غیر عاقل لڑکی کا نکاح اپنی صوابدید کے مطابق کرے۔ یہ حق باپ یا دادا کو حاصل ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ مخلص اور خیرخواہ سمجھے جاتے ہیں۔

2. ولایتِ اختیار

بالغہ اور عاقل لڑکی کے نکاح میں ولی کو مشورہ دینے اور سرپرستی کرنے کا حق ہے، لیکن اس کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "لا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حتَّى تُسْتَأْمَرَ، ولا تُنْكَحُ البِكْرُ حتَّى تُسْتَأْذَنَ" (بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے)۔

فقہا کی آراء

- **امام ابو حنیفہ** کے نزدیک بالغہ عاقلہ لڑکی اپنے نکاح میں خود مختار ہے، اگرچہ ولی کی موجودگی بہتر ہے۔

- **امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل** کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح معتبر نہیں۔

یہ اختلاف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسلام عورت کو نکاح میں مکمل طور پر بے اختیار نہیں کرتا اور نہ ہی ولی کو مطلق العنان بناتا ہے، بلکہ دونوں کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔

نکاح میں کفو اور ولایت کا باہمی تعلق

کفو اور ولایت دونوں نکاح کے استحکام اور خاندان کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔ اگر نکاح میں کفو کا لحاظ نہ رکھا جائے تو سماجی مسائل جنم لیتے ہیں، اور اگر ولایت کو نظرانداز کیا جائے تو عورت کے حقوق متاثر ہو

سکتے ہیں۔ ولی کا کردار اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ لڑکی کا نکاح مناسب اور کفو شخص سے ہو۔

نتیجہ

نکاح میں کفو اور ولایت دو اہم اصول ہیں جو اسلامی معاشرتی نظام کی حکمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ کفو ازدواجی زندگی میں ہم آہنگی اور سکون کو یقینی بناتا ہے جبکہ ولایت عورت کے حقوق کی حفاظت اور خاندان کے تعاون کو برقرار رکھتی ہے۔ اسلام نے ان دونوں اصولوں کے ذریعے نہ صرف خاندان کی بقا کو محفوظ کیا بلکہ ایک عادلانہ اور متوازن معاشرتی ڈھانچہ قائم کرنے کے رہنما اصول بھی فراہم کیے۔

سوال نمبر 5

نکاح میں مہر اور نفقہ کے احکام بیان کریں۔

اسلامی شریعت میں نکاح نہ صرف ایک سماجی اور قانونی بندھن ہے بلکہ یہ ایک مقدس معاہدہ بھی ہے جو شوہر اور بیوی کے حقوق، ذمہ داریوں، اور معاشرتی و اخلاقی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اس معاہدے میں عورت کے مالی تحفظ اور معاشرتی وقار کو یقینی بنانے کے لیے دو اہم تصورات "مہر" اور "نفقہ" متعین کیے گئے ہیں۔ فقہ اسلامی نے مہر اور نفقہ کے اصولوں اور احکام کو تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ نکاح کے تمام شرعی پہلو واضح اور عملی رہنمائی کے ساتھ ادا کیے جا سکیں۔ ذیل میں مہر اور نفقہ کے تمام ابعاد پر تفصیلی نوٹ پیش کیا جا رہا ہے۔

مہر کا مفہوم

مہر عربی لغت میں "ہدیہ" یا "رقم" کے معنوں میں آتا ہے، اور فقہی اصطلاح میں مہر وہ مال یا تحفہ ہے جو شوہر اپنی بیوی کو نکاح کے وقت دیتا ہے۔ یہ عورت کا بنیادی حق ہے اور اسے شوہر کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔

مہر عورت کے مالی تحفظ کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے اور ازدواجی زندگی میں اس کی عزت و وقار کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مہر کی اہمیت

اسلام میں مہر عورت کی مالی خودمختاری اور تحفظ کا ضامن ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً" (عورتوں کو ان کا مہر دیں)۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مہر نہ دینا یا تاخیر کرنا ایک سنگین شرعی خلاف ورزی ہے۔

مہر کی اقسام

فقہائے کرام نے مہر کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے:

1. مہرالمسمی

یہ وہ مہر ہے جو نکاح کے معاہدے میں پہلے سے مقرر کیا جاتا ہے اور شوہر پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے ادا کرے۔

2. مہرالمقدم اور مہرالمؤخر

- **مہرالمقدم**: وہ مہر جو نکاح کے وقت ادا کیا جائے۔

- **مہرالمؤخر**: وہ مہر جو نکاح کے بعد، عموماً طلاق یا شوہر کی وفات کے وقت ادا کیا جاتا ہے تاکہ عورت کے مالی تحفظ کو یقینی بنایا جا سکے۔

3. مہرالمثل

یہ مہر عورت کے حسب، خوبصورتی، علم، اور سماجی مرتبے کے مطابق مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد دونوں فریقین کے درمیان ہم آہنگی قائم کرنا ہے۔

4. مہرالمتاع

یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان یا ولی کے مشورے سے طے کیا جاتا ہے، اور اس میں معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

مہر کی شرائط

فقہ اسلامی کے مطابق مہر کے چند بنیادی اصول ہیں:

- یہ عورت کا حق ہو اور شوہر کی طرف سے بلا جبر ادا کیا جائے۔
- مہر کی مقدار یا نوعیت میں عدالت اور معقولیت ہو۔
- مہر نقد رقم، زیورات یا کسی قابلِ قدر مال کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

نفقہ کا مفہوم

نفقہ وہ مالی ذمہ داری ہے جو شوہر پر عائد ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے لیے ضروریاتِ زندگی مہیا کرے۔ نفقہ صرف کھانے پینے، لباس، اور رہائش تک محدود نہیں بلکہ عورت کی تعلیم، صحت، اور بچوں کی پرورش بھی شامل ہے۔

نفقہ کی اہمیت

نفقہ ایک فرض مالی حق ہے جو عورت کو نکاح کے بعد فراہم کرنا شوہر پر لازم ہے، چاہے عورت عبادات میں مصروف ہو یا نہ ہو۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ" (مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور وہ اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفقہ مرد کی ذمہ داری اور عورت کا حق ہے۔

نفقہ کے اجزاء

فقہا نے نفقہ کو درج ذیل اجزاء میں تقسیم کیا ہے:

1. **رہائش**: عورت کے لیے مناسب اور محفوظ گھر مہیا کرنا۔

2. **خوراک و پانی**: روزانہ کی ضروریات کے مطابق کھانے پینے کا انتظام۔

3. **لباس**: مناسب اور ضروری لباس فراہم کرنا۔

4. **صحت اور تعلیم:** بیوی اور بچوں کی صحت اور تعلیم کے لیے مالی معاونت۔

نفقہ کے اصول

- نفقہ شوہر کی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیے، لیکن اس کی کمی یا تاخیر گناہ شمار ہوتی ہے۔
- نفقہ عورت کے علاوہ بچوں پر بھی واجب ہے۔
- عورت نفقہ کے حق سے محروم نہیں رہ سکتی، چاہے وہ کسی اموال کی مالک ہو یا نہ ہو۔

مہر اور نفقہ کے باہمی تعلق

مہر اور نفقہ دونوں عورت کے حقوق کو محفوظ بنانے کے لیے ہیں مگر ان میں فرق واضح ہے:

- **مہر:** ایک مرتبہ ادا کی جانے والی رقم یا مال، جو عورت کے لیے مستقل حق بن جاتا ہے۔

- **نفقہ:** جاری رہنے والا اخراجات کا سلسلہ جو شوہر پر واجب ہے تاکہ عورت اور بچوں کی روزمرہ ضروریات پوری ہوں۔

یہ دونوں مالی حقوق نکاح میں توازن اور ازدواجی زندگی میں استحکام پیدا کرتے ہیں۔ مہر عورت کی عزت اور مالی تحفظ کا ضامن ہے، جبکہ نفقہ اس کے معیارِ زندگی کو قائم رکھتا ہے۔

فقہا کی آراء

- **امام ابو حنیفہ**: مہر اور نفقہ دونوں عورت کے واجب حقوق ہیں اور شوہر کی استطاعت کے مطابق نفقہ ادا کرنا ضروری ہے۔

- **امام شافعی**: مہر کی ادائیگی نکاح کا لازمی جزو ہے اور نفقہ نہ دینے کو گناہ قرار دیا ہے۔

- **امام مالک**: نفقہ اور مہر دونوں کی ادائیگی لازمی اور عورت کا حق ہیں، اور عدالت کے ذریعے ان کا حق حاصل کیا جا سکتا ہے۔

- **امام احمد بن حنبل**: مہر اور نفقہ کی عدم ادائیگی عورت کے حقوق کی پامالی ہے اور اس کے لیے قانونی چارہ جوئی جائز ہے۔

نتیجہ

اسلام میں نکاح میں مہر اور نفقہ عورت کے بنیادی حقوق کی ضمانت ہیں۔ مہر عورت کی عزت و وقار اور مالی خودمختاری کا ضامن ہے، جبکہ نفقہ ازدواجی زندگی کے دوران عورت اور بچوں کی روزمرہ ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ دونوں کے اصول اسلامی معاشرتی توازن، ازدواجی استحکام، اور خاندان کے تحفظ کے لیے لازمی ہیں۔ شریعت نے ان دونوں کے ذریعے نہ صرف عورت کے حقوق محفوظ کیے بلکہ خاندان اور معاشرت میں عدل و انصاف قائم کرنے کے عملی اور جامع رہنما اصول بھی فراہم کیے ہیں۔